سید محمد عبداللہ قادری عفی عنہ

۲۵ جنوری ۸۶ء

امام احمد رضا

کی

بصیرت کے چند مناظر

○

سیّد نور محمّد قادری

○

انجمن فدایانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

کھاریاں، ضلع گجرات

سلسلۂ مطبوعات نمبر ۵

نام کتاب ـــــــــ	امام احمد رضا کی بصیرت کے چند مناظر
مؤلف ـــــــــ	سیّد نور محمد قادری
کتابت ـــــــــ	ادارہ پروین کتابت۔ لاہور
تصحیح ـــــــــ	ظہور الدین خان
ناشر ـــــــــ	انجمن فدایانِ مصطفٰے کھاریاں، ضلع گجرات
طباعت بارِ اوّل ـــــــــ	ستمبر ۱۹۷۵ء
طباعت بارِ دوم ـــــــــ	اکتوبر ۱۹۸۶ء
مطبع ـــــــــ	گنج شکر پرنٹرز، لاہور
صفحات ـــــــــ	۳۲
تعداد ـــــــــ	۱۰۰۰
ہدیہ ـــــــــ	دعائے خیر بحقِ معاونین

ملنے کا پتہ

دفتر انجمن فدایانِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کھاریاں، ضلع گجرات

نوٹ:۔ بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے دو روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال فرمائیں۔

فہرست

ملّتِ اسلامیہ کے پیشوا تم پر سلام

(نتیجہ فکر: بدر القادری مصباحی)

رہبرِ دینِ متیں احمد رضا تم پر سلام
ملّتِ اسلامیہ کے پیشوا تم پر سلام

اے شکوہِ قصرِ سُنّت شوکتِ ایوانِ حق
اے حسامِ صدق جس سے سینۂ باطل ہے شق
تجھ کو پاکر پاگئی دُنیا غزالی کا سبق
مُصلحِ دینِ محمد مصطفےٰ تم پر سلام

شہریارِ مُلکِ دانش بادشاہِ علم و فن!
جانشینِ بوحنیفہ نائبِ غوثِ زمن
وہ گُلِ زیبا کہ جس کا بانکپن بُوئے سُخن
پیکرِ خُلقِ شہِ ہر دوسرا تم پر سلام

اِک چمن جو بے نیازِ شورشِ بادِ خزاں
اِک شگوفہ جس کی نزہت فرحتِ اہلِ جہاں
وہ گُلِ عرفاں کرے خود فخر جس پر گلستاں
خود گُل و گلشن گُرِ گلشن نما تم پر سلام

نیّرِ بُرجِ تقدس وہ ترا اوجِ کمال
گردِ رہ میں گم ہیں کتنے اشہبِ عقل و خیال
تیری سیرت خُلقِ سرور اور مُوسٰی کا جلال
اے امینِ جذبۂ اہلِ صفا تم پر سلام

اے خوشا رندے کہ چشمِ تو بَرد ریگستاں
بر ہمہ اہلِ سُخن فیضانِ تو سایہ گُستر
ہو قبول اے صاحبِ کاشانۂ گوہر فشاں
بھیجتا ہے ایک بدرِ بے نوا تم پر سلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

پیش لفظ

از ابوالطاہر فدا حسین فدا مدیر اعلیٰ "مہر ماہ" لاہور

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مفتی احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ اس صدی کے سب سے بڑے فقیہہ تھے۔ اور متنوع علوم و فنون پر مجتہدانہ کمال رکھتے تھے۔ ایک ہزار کے لگ بھگ چھوٹی بڑی تصانیف اُن کی علمی یادگار ہیں۔ علمائے عرب و عجم نے آپ کو وقت کا مجدد تسلیم کیا۔ غرض کہ ایسے جامع جمیع کمالات تھے کہ گزشتہ تین صدیوں میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور یہی عشق اُن کے فکرِ سلیم کا نگہبان و راہ نما تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتے تھے اور زندگی بھر دین متین کی اعانت و حفاظت میں مصروف و منہمک رہے۔ بلند مرتبہ شاعر تھے۔ مگر سوائے نعت و منقبت کے کچھ نہ کہا۔ کسی دنیادار کی کبھی قصیدہ خوانی نہیں کی۔

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں مری بلا

میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اعلیٰ حضرت قدس سرہ سیاسیات ہند میں اگرچہ عملاً شریک نہیں ہوئے مگر انہوں نے سیاست دانوں کی راہ نمائی کا فریضہ بخوبی سر انجام دیا۔ جس وقت مسلم زعما مدینہ منورہ سے رُخ موڑ کر گنگا کی طرف روانہ ہوئے تو انہوں نے انہیں متنبہ کیا اور جب ان کی پیشانیوں پر اثر سجود کے بجائے "تلک" نمایاں ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے کفار کی دوستی اور ان کے شعار اپنانے سے روکا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں واضح فرمایا کہ کفار کبھی بھی مسلمانوں کے بہی خواہ نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ جب بھی کوئی فتنہ اٹھا خواہ وہ آزادی کے نام پر ہو، خواہ دین کے نام پر، انہوں نے ابلاغِ حق کا فریضہ بلا خوف لومۃ لائم ادا کیا۔

جس وقت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے سیاست دانوں کو راہِ راست پر چلنے کی ہدایت

کی تو بہت سے اکابر اسلام نے ان کی آواز پر لبیک کہا، مگر جو حضرات آزادی کے جوش میں ہوش کھو بیٹھے تھے یا جو ہنود کے تنخواہ دار بن چکے تھے، وہ اعلیٰ حضرت سے سخت ناراض ہوئے اور انہوں نے بہتان تراشی کا کوئی تیر اپنے ترکش میں باقی نہ رہنے دیا۔

مگر بہت جلد وہ وقت آگیا کہ گاندھی کو جامع مسجد خیر الدین امرتسر اور شاتم رسول شردھانند کو جامع مسجد دہلی کے منبر رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر لاکر بٹھانے والوں پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر علمائے حق جو کچھ کہتے تھے، وہی حق تھا اور واقعی ہندو ہمارا ایسا ہی دشمن ہے جیسا کہ انگریز۔

میاں عبدالرشید صاحب نے جو غیر جانبدار مورخ ہیں "برطانوی دور میں برعظیم پاک و بھارت کی مسلم سیاست" کے زیر عنوان تبصرہ کرتے ہوئے علمائے اہل سنت کی دُوراندیشی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، لکھتے ہیں:۔

"انگریز دشمنی کے باوجود ان لوگوں[1] نے انگریزوں کے ذریعہ یہاں پہنچنے والے وطنیت اور جمہوریت کے یورپی تصورات کو جو اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی تھے، اپنانے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی، نہ یہ اس بات کو سمجھ سکے کہ مشرک اور بُت پرست ہندو کی بالادستی قبول کرتے ہوئے سیاست میں ان کے ساتھ تعاون کرنا، اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ قرآن پاک مشرکوں کو نجس

---

[1] کانگریسی علماء جن کا تعلق دیوبند سے تھا نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتیٔ دیوبند (حال کراچی) اپنے ایک انٹرویو میں فرماتے ہیں:۔

"۲۵ء کے آخر میں یہ نوبت آگئی کہ سیاست کا علَم کانگریس کے ہاتھ میں تھا اور مسلمان اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ اب اس انداز کی سیاست دیوبند میں بھی در آئی تھی ..... ہمارے نقطۂ نظر کے خلاف دیوبند میں کانگریسی مزاج پختہ ہوتا چلا گیا۔" (ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور شمارہ جولائی ۱۹۶۸ء ص ۲۸) "سابق صوبہ سرحد میں صورتِ حال بڑی نازک تھی .... ساتھ ساتھ علماء کا ایک گروہ جو دیوبند سے اُس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا جب وہاں (سرحد میں) کانگریسی سیاست غالب آچکی تھی، سُرخ پوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔" (ایضاً ص ۳۰)

کہتا ہے۔ مگر کچھ علمار نے تحریکِ خلافت اور ترکِ موالات کے دوران ہندو لیڈروں کو جو مشرک اور بت پرست تھے، مساجد میں بلایا اور کئی جگہ ان کی صدارت میں مسجدوں کے اندر جلسے منعقد کئے۔ مولانا حسین احمد مدنی نے منبرِ مسجد پر سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں"۔ اس کے رد میں علامہ اقبالؒ نے اس دور کے روزنامہ "احسان" لاہور میں تین قسطوں میں بہت زوردار مضمون لکھا۔ علامہ کے مندرجہ ذیل اشعار کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے:۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ ۔۔۔ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست

سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن ست ۔۔۔ چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۔۔۔ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

بریلوی تحریک کے سربراہ ایسے صوفیار اور علمار تھے جن کا تعلق مسلمانوں کے سوادِ اعظم سے تھا عام طور سے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو اس تحریک کا قائد تصور کیا جاتا ہے، ان کی نسبت سے اسے بریلوی تحریک اور اس کے ساتھ منسلک لوگوں کو بریلوی "فرقہ" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ بریلوی کوئی فرقہ نہیں بلکہ سوادِ اعظم ہیں۔ مولانا (احمد رضا خان) نے صرف مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے خیالات و اعتقادات کی ترجمانی کی اور اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلوی علمار کی کثیر تعداد نے قید و بند اور دار و رسن کے مصائب برداشت کئے تھے، اس لیے بریلوی تحریک کے راہنما بھی انگریزوں کے سخت دشمن تھے مگر انگریز دشمنی کے تعصب میں انہوں نے ہندو دوستی اختیار نہ کی۔ وہ مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون کو ناجائز سمجھتے رہے۔ قائدِ اعظم کی طرح انہوں نے بھی ترکِ موالات اور تحریکِ ہجرت کی مخالفت کی۔ "یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریکِ ترکِ موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی

گرفت مضبوط ہوئی۔ البتہ جب مسلم لیگ نے حصولِ پاکستان کے لیے تحریک چلائی تو ان حضرات نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نہ اُن کے علماء پیچھے رہے نہ صوفیاء۔ بریلوی حضرات کا اصل سرمایہ عشقِ رسولِ پاک ہے اور یہ عشق ہر موقع پر ان کی صحیح رہنمائی کرتا رہا ہے ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست (اقبالؒ)

(روزنامہ نوائے وقت لاہور، ص ۵، ۸ مئی ۱۹۷۵ء)

پاکستان کے نامور مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی نے اپنی انگریزی تالیف "علماء ان پالیٹکس" میں تحریکِ ترکِ موالات میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔[۱]

فاضل محترم سید نور محمد قادری مدظلہ نے اس مختصر رسالے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ سید صاحب کا یہ مقالہ تاریخِ پاکستان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا اور اس کے مطالعہ سے تاریخ کے طالب علم یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ مورخین نے تاریخ کے اس اہم باب سے کیوں اغماض برتا ہے؟

لاہور
یکم ستمبر ۱۹۷۵ء

ابوالطاہر فدا حسین فدا

۱؎ "ULEMA IN POLITICS" (KARACHI 1973, P.270)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان نابغۂ روزگار حضرات میں ہوتا ہے جن کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

اس دانائے راز اور جامع کمالات شخصیت کو خدا تعالےٰ نے مختلف فنون میں اس قدر دسترس اور جامعیت عطا فرمائی تھی کہ اگر پوری تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا جائے تو بہت کم ایسی ہستیاں ملیں گی جو بیک وقت فقہ، ریاضی، ہیئات، فلکیات، تفسیر و حدیث، شاعری اور سیاست پر عبور تامہ رکھتی ہوں۔ جہاں تک فقہ کے فنِ شریعت کا تعلق ہے "فتاویٰ رضویہ" کے بارہ ضخیم مجلدات ان کے کمال تفقہ پر شاہد عادل ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مشکل اور پیچیدہ مسائل کا قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح حل فرمایا ہے کہ اغیار بھی آپ کا لوہا مان گئے ہیں۔ علم ریاضی ہندسہ اور ہیئات کے متعلق صرف اتنا ہی عرض کر دینا کافی ہے کہ ڈاکٹر ضیاء الدین سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (جو ان علوم کے جامع اور فاضل تھے) آپ کے معترف و معتقد تھے۔ نعتیہ شاعری کا تو یہ عالم ہے کہ بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی

—— "برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسا عاشقِ رسول ہو جس کو آپ کے بے مثال قصیدہ مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام کے چند شعر حفظ نہ ہوں"[1]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :-

—— "علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خان رضا بریلوی کا ہے ..... ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دل سوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ "[2]

اب رہی آپ کی سیاسی بصیرت سو وہ اس مختصر مقالہ کا عنوان ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا یہ تابناک پہلو بھی عوام کے سامنے آجائے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک مسلمان رہنماؤں کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اسلام میں دین اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور جب کبھی بھی سیاست دین سے بے نیاز ہو کر بے راہ ہوئی ملتِ اسلامیہ کو نقصان ہی پہنچا۔ علماء اور نیشنلسٹ مسلمانوں نے جب بھی دین اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں رکھنے کی کوشش کی، علماءِ حق اور دردمند مسلمانوں کے قلوب تڑپ اٹھے۔ ۱۹۳۵ء میں جب ایک بہت بڑے نیشنلسٹ عالم نے یہ غیر اسلامی نعرہ لگایا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" تو شاعرِ مشرق کا اسلام سے لبریز دل تڑپ اٹھا اور اس

---

[1] نوائے حق لاہور جون ۱۹۷۰ء ص ۳۱

[2] اردو کی نعتیہ شاعری از ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی یونیورسٹی) طبع لاہور، ص ۸۶

نے اپنے درد بھرے جذبات کا یوں اظہار کیا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

آخر میں صراطِ مستقیم سے ہٹے ہوئے اس عالم کو تنبیہ کرتے ہیں ؎

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است [1]

علامہ اقبال علیہ الرحمۃ جیسے صاحب بصیرت نے دیوبند کے اس شیخ الحدیث کے بارے میں ۱۹۳۵ء میں جو کچھ کہا تھا وہی اعلیٰ حضرت کی مومنانہ بصیرت ابوالکلام آزاد کے متعلق ان سے پندرہ سال پہلے یعنی ۱۹۲۰ء میں کہلوا چکی تھی۔

آزاد مگر نہ تو بے ننگ مشرک
وہ مسلمے دہی پے یک مشرک
ز اسلامت اگر بہرہ بُدے میکردی
بر ناخنِ مسلمے فدائک مشرک [2]

اعلیٰحضرت کے مبارک زمانہ میں جو تحریک بھی عامۃ المسلمین کے مفاد کے خلاف اٹھی اعلیٰ حضرت اور ان کے رفقار کار نے اس کی بیخ کنی کے لئے سعیٔ بلیغ فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں جن تحریکوں نے زیادہ سر اٹھایا ان میں سے نمایاں تحریک انسدادِ قربانی گاؤ انہدامِ مسجد کانپور اور تحریکِ عدم تعاون و خلافت ہیں۔ ان تحریکوں میں مسلمانوں نے اپنی سادگی اور غیروں کی زیرکی کی وجہ سے پایا کم اور کھویا زیادہ۔ اگر ان تمام تحریکات کا

---

[1] کلیات اقبال۔ مطبوعہ دہلی ص ۳۵۲   [2] باقیاتِ رضا (زیر طبع)

تفصیلی جائزہ لیا جائے اور ان کے ما لہٗ و ما علیہ پر پوری بحث کی جائے تو ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے جس کی اس مختصر مقالہ میں گنجائش نہیں۔ فی الحال مسجد کانپور اور ترکِ قربانی کا مختصراً اور تحریک عدمِ تعاون و خلافت پر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت نے عامۃ المسلمین کی رہنمائی اور بہتری کے لئے جو کچھ کیا اسے تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے

واقعہ مسجد کانپور

امپرومنٹ ٹرسٹ کمپنی کانپور نے جب فروری ۱۹۱۳ء کو شہر کی سڑک کشادہ کرنے کے لئے مچھلی بازار کی جامع مسجد کے مشرقی حصہ کو لینے کا فیصلہ کیا تو مسلمانانِ کانپور میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے جامع مسجد میں ایک جلسہ منعقد کیا جس میں پانچ علماء نے جن میں آزاد سبحانی بھی شامل تھے باضابطہ فتویٰ بدیں مضمون دیا ——

——"کہ حصّہ زیر بحث یعنی شرقی حصہ (جو مسجد کے غسل خانوں پر مشتمل تھا) مذہبًا اور شرعًا جزوِ مسجد اور شامل مسجد ہے۔ شرع اسلامی کی رو سے مسجد یا اس کے کسی جزو یا حصہ کی بیع یا مبادلہ مجوزہ خلافِ شریعت ہے"[۱] —— اس فتویٰ کی موافقت میں علماء بریلی، بدایوں اور فرنگی محل کی طرف سے بھی فتوے شائع ہوئے "کہ مسجد مالِ وقف ہونے کی وجہ سے بلا معاوضہ یا بالمعاوضہ قابل انتقال نہیں" چنانچہ مسلمانوں نے لفٹیننٹ گورنر صوبہ جات متحدہ اور وائسرائے ہند کو بذریعہ تار اور میموریل اپنے جذبات سے آگاہ کیا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور ۳ جولائی ۱۹۱۳ء کو مسجد کے مذکورہ حصہ کو سڑک کھلا کرنے کے لئے گرا دیا گیا۔ اس سے مسلمانانِ ہند کے مذہبی جذبات بھڑک اٹھے۔ چنانچہ ۳ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان جوق در جوق مچھلی بازار میں جمع ہوئے اور منہدم

---

[۱] علی برادران از رئیس احمد جعفری۔ لاہور ص ۲۳۳

غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر گارہ کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں[1] اس پر مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر ان نہتے مسلمانوں پر فائر کھلوا دیا جس سے بے شمار مسلمان شہید ہو گئے اور بہت سوں کو گرفتار کر کے جیل میں بھر دیا گیا اور ان پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، اس پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف مسجد کی بازیابی کے لیے جلسے جلوس ہونے لگے۔ مذکورہ منہدمہ جگہ کی بازیابی کے لئے لیڈر، علماء کرام اور مشائخ عظام میدان میں آ گئے ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبد الباری فرنگی محل، راجہ صاحب محمود آباد، سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ لفٹیننٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا "کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و مقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو سیڑھی یا منبر، اس لئے مسجد کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں کیا جا سکتا ہے"[2] آخر کار ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو مولانا عبد الباری، راجہ صاحب محمود آباد اور سر علی امام نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی جن میں سے ایک یہ تھی "کہ چوں کہ مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے اس لئے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے گا تاکہ راہرو اس پر سے گذر سکیں"[3] چونکہ مولانا عبد الباری صاحب نے اسلامی فقہ کے مسلمہ اصول "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں" کی صریح خلاف ورزی کی تھی اس پر علماء حق کے درد بھرے قلوب تڑپ اٹھے اور ان کی طرف سے مولانا موصوف کے اس فیصلہ کی تردید میں کافی رسالے اور کتابیں لکھی گئیں۔ اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی ابانۃ المتواری اور حاجی مقتدی خان شروانی کی ابلیس کا خطبۂ صدارت نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ فاضل بریلوی نے اپنے موقف کہ "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں"

---

[1] اعمال نامہ از سر رضا علی دہلی ص ۳۰۶ [2] علی برادران لاہور ص ۳۶ [3] اعمال نامہ از سر رضا علی دہلی ص ۳۲۵

کے ثبوت میں قرآن، احادیثِ مبارکہ اور فقہ شریف سے دلائل قاہرہ کے انبار لگا دیئے اور وقف کے ہر پہلو کو فقہ شریف کی روشنی میں اس طرح واضح فرمایا کہ مخالفین (مولانا عبدالباری وغیرہم) کے دلائل کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہ رہی۔ مذکورہ رسالہ کے جواب میں مولانا عبدالباری صاحب نے (خدا جانے کس مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے "قامع الواہیات" شائع کر کے مولانا فرنگی محلی کے غلط مفروضہ کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا کہ اس کے بعد مولانا عبدالباری اور ان کے ہم مسلک کسی عالم یا لیڈر کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرأت نہ ہوئی اور نہ ہی حکومتِ برطانیہ کو اس کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوئی اور اس طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ رکن ہمیشہ کے لئے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔

انسدادِ گاؤ کشی

مولانا سید سلیمان اشرف (سابق صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ متوفی ۱۹۳۹ء) فرماتے ہیں ۔ "سن ستاون کا ہنگامہ اور ستارہ صلاح و فلاح مسلمانانِ ہند کا غروب مفہوم مرادف ہے۔ مسلمانوں کے اس تنزل سے ان کی ہمسایہ قوم نے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی اور بہت جلد مسلمانوں کے املاک اور دیگر جاہ و عزت کے سامان اہل ہنود کے دستِ تصرف میں آگئے۔

ہندوؤں کو جب اس طرف سے ایک گونہ اطمینان پیدا ہو گیا تب انہوں نے مسلمانوں کے مذہب پر حملہ آوری شروع کی۔ مظالم و جفا کاری کا ایک کوہِ آتش فشاں تھا

جس سے انواع واقسام کے شعلے پھوٹ کر نکلتے اور جا بجا مسلمانوں کی عزت وحمیت ان کے حقوق کے ساتھ خاک سیاہ کرنا چاہتے تھے۔ یوں تو مسلمانوں کا ہر رکنِ مذہبی اہل ہنود کو چراغ پا کر دینے کا کافی بہانہ تھا لیکن بقر عید کے موقع پر گائے کی قربانی سے جو تلاطم اور ہیجان ان میں پیدا ہوتا اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ بہرکیف غیرت مند مسلمان اپنے اس دینی وقار اور مذہبی استحقاق کے قائم رکھنے میں ہمیشہ استقلال وہمت سے ان کی ستمگاریوں کی مدافعت کرتے رہے۔"[۱] اہل ہنود نے اس پر بس نہ کی بلکہ ۱۲۹۸ھ میں ایک فتویٰ جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا "کہ موقع بقر عید گائے کی قربانی جب کہ موجب فتنہ وفساد ہے اور امن عامہ کی وجہ سے اس میں خلل آتا ہے۔ اگر گائے کی قربانی مسلمان موقوف کر دیں تو کیا مضائقہ ہے"۔ مرتب کر کے بنام زید و عمر مختلف شہروں سے مختلف علماء کرام کے نام روانہ کیا

حضرات علماء کرام نے ہر جگہ اور ہر شہر سے ایک ہی جواب دیا کہ شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کو متوجہ کرنا چاہیے۔

سنہ ۱۳ھ کے لگ بھگ اس فتنہ کو پھر اٹھایا گیا تو مولانا المفتی احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس استفتا کے جواب میں ایک رسالہ بنام انفس الفکر فی قربان البقر تیار کر کے شائع فرمایا جس سے باطل کی روشن کی ہوئی شمعیں فوراً بجھ گئیں۔ اس کے بعد بھی ہندوؤں نے کئی دفعہ اس فتنہ کو اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہر بار اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ نے ان کی مذموم کوششوں کو بار آور نہ ہونے دیا۔

جب خلافت کے زمانہ میں انسداد قربانی گاؤ نے شدت سے سر اٹھایا اور اس دفعہ اہل ہنود کے ساتھ مسلمان جو فروش لیڈر بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے

---

(۱) النور از سید سلیمان اشرف علی گڑھ ص ۲

اونٹوں پر بیٹھ کر ایسے اشتہاروں کی اشاعت فرمائی جو گائے کی قربانی کی مخالفت میں تھے بلکہ حکیم اجمل خان جیسے لیڈر نے محض شہرت عام اور اہل ہنود کو خوش کرنے کے لئے حدیث شریف میں تحریف کر ڈالی تو اعلیٰ حضرت کے معتقدین میں جوش ابھر آیا مولانا سید سلیمان اشرف نے "الرشاد" اور مولانا عبد القدیر نے گاندھی کے نام کھلی چٹھی میں حکیم صاحب کا تعاقب کیا اور ان کی علم حدیث سے واقفیت کی خوب خوب داد دی۔ غرضیکہ یہ فتنہ بھی اعلیٰ حضرت اور ان کے معتقدین کی کوششوں سے رفع دفع ہو گیا اور پھر تقسیم برصغیر کے زمانہ تک یہ فتنہ نہ ابھرا۔

تحریکِ عدمِ تعاون و خلافت

خلافت کمیٹی کی بنیاد آل انڈیا مسلم کانفرنس میں ۲۲ ستمبر ۱۹۱۹ء میں رکھی گئی، تحریک خلافت کا مقصد سلطنت ترکیہ کی سلامتی اور خلیفہ کی حیثیت سے سلطانِ ترکی کی حاکمیت تسلیم کیا جانا قرار پایا لیکن حکومت ترکی کو شکست ہوئی اور اسے معاہدہ سیورے (TREATY OF SEVREY) ماننے پر مجبور کیا گیا اس معاہدہ کی شرائط اس قدر بری اور ذلیل تھیں کہ اس سے مسلمانانِ ہند کے قلوب کو سخت دھچکا لگا۔ ۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا[۱]

---

[۱] جنگ عظیم دوم میں جب جرمنی اور اس کے اتحادی ترکی کو شکست ہوئی تو ۱۴ مئی ۱۹۲۰ء کو ترکی سے برطانیہ اور اس کے حلیفوں نے بمقام "سان ریمو" (فرانس) ایک معاہدہ کیا جسے معاہدہ سیورے کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ترکی کو ناگفتہ شرائط پر صلح کے لئے مجبور کیا گیا۔ جن شرائط پر صلح ہوئی وہ یہ ہیں:۔

۱۔ سلطان اتحادیوں کی حمایت کے ساتھ قسطنطنیہ میں حکومت کرے گا۔

۲۔ اتحادیوں کو یہ حق ہے کہ آبناؤں پر قبضہ کرلیں اور یہ بھی کہ ایشیائی ترکی کے کسی حصہ پر قابض ہو جائیں۔

(باقی حاشیہ ص۱۸ پر)

جس میں عدم تعاون کے اصول کو تسلیم کیا گیا اور مسٹر گاندھی کو تحریک عدم تعاون کا رہنما قرار دیا گیا۔ یہ تحریک بڑے نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی تھی۔ لیکن اس کے مسلمان رہنما سحر گاندھی سے اس قدر مسحور ہو گئے کہ "الکفر ملۃ واحدۃ" کا سبق بھول گئے اور تحریک کے ذمہ دار افراد سے ایسے ایمان سوز افعال و اقوال سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان حضرات کے غیر اسلامی افعال و اقوال کی تفصیل المحجۃ المؤتمنہ از اعلیٰ حضرت، گاندھی کے نام کھلا خط از عبد القدیر بلگرامی تحقیقات قادریہ از مولانا جمیل الرحمٰن بریلوی، النور از سید سلیمان اشرف، دوامغ الحمیر از جماعت رضائے مصطفےٰ بریلی، مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی از خان عبد الوحید خان اور فاضل بریلوی اور ترک موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ تحریک عدم تعاون کے زمانہ کو پچاس برس کے قریب گذر چکے ہیں لیکن اب بھی جب ان رہبران خود گم کردہ کے افعال و اقوال پر نظر پڑتی ہے تو سر حیا سے نیچے جھک جاتا ہے ان بزرگوں نے صرف اس پر بس نہ کی بلکہ مشرکوں (ہندو) کے بہرے میں آکر مسلمانوں کی دو عظیم درسگاہوں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

پہلے ان کے مشرکانہ اقوال و افعال ملاحظہ فرمائیے پھر علی گڑھ اور لاہور کے کالج کی

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۶) ۳۔ آرمینیہ کی ایک نئی دولت قائم کی جائے گی جس میں مندرجہ ذیل صوبے داخل ہوں گے۔ مشرقی اناطولیہ۔ ارض روم۔ وان۔ تبلس۔ ترابزون اور اذربجان، اس دولت کی حد دریا سے متحدہ امریکہ کی مدد سے قائم کی جائیں گی۔

۴۔ ترکی عرب کے متعلق اپنے تمام دعوؤں سے دستبردار ہو گا۔

۵۔ شام کی حکمرانی فرانس کو۔ عراق اور اردن کی برطانیہ کو دی جائے گی۔ عدلیہ اٹلی کو۔ سمرنا اور مغربی اناطولیہ یونان کو عنایت کیا گیا۔ (علی برادران از رئیس احمد جعفری لاہور صہ ۳۶)

طرف آتے ہیں۔ رسالہ الناظر کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو
مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔[1] مولانا شوکت علی نے فرمایا۔ "زبانی بے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا اگر
تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہو گا"[2] پیر طریقت حضرت مولانا عبد الباری یوں
گوہر افشاں ہوئے۔ "ان (گاندھی) کو اپنا راہ نما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں مانتا ہوں۔ میرا
حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے ؎

عمرے کہ بآیات و احادیث گذشت
رفتی و نثارِ بت پرستی کردی[3]

اب رہے چھوٹے بھائی مولانا محمد علی جوہر تو وہ تمام حدود کو پھلانگ گئے اور ایک انگریزی
اخبار کے وقائع نگار کو بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے ارشاد
فرمایا۔ "میں اپنے لئے بعدِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت
ضروری سمجھتا ہوں"[4] ان لیڈروں نے اس پر بس نہ کی بلکہ بقول سابق مرکزی وزیر خان
عبد الوحید خان "جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی
میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی
تصویروں اور بتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا
گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاوے اونٹوں کی
پشت پر تقسیم کئے گئے"[5]

علماء حق نے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو اس طرح
بازیچۂ اطفال بنتے دیکھا تو ان کی ایمانی غیرت بھڑک اٹھی اور اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد عربی

---

[1] پیسہ اخبار لاہور ۸ نومبر ۱۹۲۰ء بحوالہ تحقیقات قادریہ ص ۲۹ [2] مدینہ اخبار بجنور ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء بحوالہ تحقیقات قادریہ ص ۱۸-۱۹ [3] مہاتما گاندھی کا فیصلہ مصنفہ خواجہ حسن نظامی ص ۱۶ بحوالہ تحقیقات قادریہ
[4] محمد علی ذاتی ڈائری حصہ اول ص ۱۰ [5] مسلمانوں کا ایثار اور جنگ آزادی ص ۱۳۲-۱۳۳

صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے مذہب کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے چنانچہ مولانا احمد رضاخان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے ان ناعاقبت اندیشوں کے کفریہ کلمات وافعال کی تردید کی وہاں بریلی میں کل ہند مرکزی جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی جس نے اس سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

الطاریُ الداریُ لھفواتِ عبد الباریُ

تحریک عدم تعاون وخلافت کے لیڈروں میں صرف حضرت مولانا عبدالباری صاحب کی ذات گرامی ہی ایسی تھی جو اسلامی دنیا میں مسلّم حیثیت (بطور ایک ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما) رکھتی تھی۔ دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ اس لئے جب مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اور گاندھی پرستی نظر سے گذری تو مولانا احمد رضاخاں کا دل خون کے آنسو رونے لگا، آپ نے بذریعہ خط وکتابت متین اور سنجیدہ لہجہ میں افہام وتفہیم چاہی لیکن مولانا عبدالباری پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بارآور نہ ہوئیں تو پھر آپ نے مجبور ہو کر الطاری الداری لھفوات عبد الباری تصنیف فرمائی جس میں آپ نے ذرا سخت لہجے میں مولانا فرنگی محلی کو حضور پرنور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ آپ پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں یہ کوئے یار کی بجائے وادیٔ کفر کی طرف جاتی ہے۔ آپ نے واضح فرمایا کہ "الکفر ملۃ واحدۃ" ہے اور اس میں ہندو، سکھ، عیسائی کی کوئی تمیز نہیں، سلطنت عثمانیہ، مقامات مقدسہ اور

خلیفۃ المسلمین کی حاکمیت اعلیٰ تسلیم کئے جانے کے مسائل پر اعلیٰ حضرت دوسرے لیڈروں سے متفق تھے۔ انہیں تو اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلہ میں اختیار کیا گیا تھا اور مسلمان رہنماؤں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیوں کا ارتکاب کیا جس کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکی بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک ان غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ الطاری الداری میں اعلیٰ حضرت نے مولانا عبد الباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعہ سے مولانا عبد الباری موصوف کے سینہ میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراطِ مستقیم واضح ہو گئی۔ آپ (مولانا فرنگی محلی) نے مولانا نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا امجد علی (صاحبِ بہارِ شریعت) کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا[1] ——————— اور روزنامہ ہمدم میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ شائع فرمایا۔ "اے اللہ میں نے بہت سے گناہ دانستہ اور نادانستہ کئے ہیں سب کی بابت توبہ کرتا ہوں، اے اللہ میں نے امور قولاً و فعلاً تحریراً و تقریراً بھی کئے ہیں ان سب اور ان کے مانند امور سے محض مولوی صاحب (مولانا احمد رضا خاں) موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر اور مجھے توفیق دے کہ تیری معصیت کا ارتکاب نہ کروں"[2] اس طرح یہ قابلِ قدر تالیف

---

[1] (نوٹ) اسی لئے علی برادران جب فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک (ہندو مسلم اتحاد) میں شمولیت کی دعوت دی تو فاضل بریلوی نے صاف صاف فرما دیا:-
"مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں میں مخالف ہوں۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے ہو گئے تو فاضل بریلوی نے تالیف قلب کیلئے مکرر ارشاد فرمایا: مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں"۔ (بحوالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات" از پروفیسر مسعود احمد)

[2] روزنامہ ہمدم ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء بحوالہ حیات صدر الافاضل طبع لاہور ص ۳۳، ۳۴، ۱۶۹، ۱۷۲

ایک بڑے عالمِ دین کو راہِ راست پر لے آئی ۔[1] اسی طرح بعد میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی نے اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر خلیفہ اور رفیقِ کار مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے سامنے گاندھی گردی ، سلسلۂ ہندو نوازی اور احکام اسلامی سے انحراف وغیرہ سے توبہ کرلی ۔ مولانا محمد علی نے مولانا موصوف سے فرمایا " آپ گواہ رہیں میں آئندہ کبھی ہنود اور غیر مسلموں سے اتحاد و وداد نہ رکھوں گا ۔"[2]

علی گڑھ کالج کا قضیہ

مسلم کالج (بعد میں یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود حسن اور ان کے ہمنوا ، علماء کی نظر میں بری طرح سے کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس بت کو ڈھا دیا جائے ۔ آخر تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود حسن اور ابوالکلام نے پروگرام بنایا تو مولانا محمود حسن نے اسلامیہ کالج علی گڑھ اور اسلامیہ کالج لاہور کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے دیرینہ بغض کا یوں اظہار فرمایا " علی گڑھ کالج کی ابتدائی حالت میں علما متدینین نے علی العموم اس قسم کی تعلیم کے جانے سے جو از سر تا پا گورنمنٹ کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے روکا ، بدقسمتی سے وہ رک نہ سکی ، اب جب کہ اس کے ثمرات و نتائج آنکھوں سے دیکھ لئے تو قوم کو اس سے بچانا بالبداہت ایک ضروری امر ہے "[3] (یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ عصرِ حاضر کی سب سے بڑی مسلمانوں کی تحریک کا علی گڑھ کے فاضل حضرات نے کثیر تعداد میں ساتھ دیا اور دیوبند کے فاضلوں نے اس تحریک کی مخالفت کو عین اسلام قرار دیا)

---

[1] حضرت مولانا فرنگی محلی نے توبہ کرلی تو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے الطاری الداری کے تمام نسخے جلا دینے کا حکم دے دیا ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو " حیات صدر الافاضل " ص ۳۵

[3] ترکِ موالات ، مدینہ پریس بجنور ص ۱۱-۹ [2] حیات صدر الافاضل ص ۱۴۳-۱۴۲

مولانا محمود حسن دیوبندی نے مسلم کالج علی گڑھ کے طلبا کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا " میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو سوالات کا جواب مل جائیگا اور علی گڑھ کی عمارتوں کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے ؟" مولانا محمود حسن کے فتاوے، ابوالکلام اور مولانا محمد علی کی تقریریں اور خطبات آخر میں رنگ لائے، ڈاکٹر انصاری اور مولانا محمد علی جوہر کی زیر سرکردگی " مجاہدین " کی ایک عظیم فوج نے علی گڑھ کالج[1] پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی، مولانا سید سلیمان اشرف اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کہ ان کی بلند ہمتی اور مساعی عظیم سے کالج مکمل شکست و ریخت سے بچ گیا اور بعد میں اس کالج نے یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی اور اس کے نونہالوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

اسلامیہ کالج لاہور پر دھاوا

علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج لاہور کی طرف باگیں موڑیں۔ اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس مسلمان قوم کو تباہ کرنے کے لئے وقف تھا۔ فاضل بریلوی نے اس کے متعلق کیا خوب کہا ہے ؎

آزاد مگر نہ، تو بے ننگ مشرک
وہ مسلم می دہی پے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدے میکردے
بر ناخن مسلمے فدا لک مشرک

---

[1] تحریک کے ابتدائی دنوں میں مسلم یونیورسٹی محض کالج تھی لیکن دسمبر ۱۹۲۰ء میں مکمل یونیورسٹی بن گئی۔

اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے دو شعروں میں سمو دیا ہے
اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ غرضیکہ ابوالکلام صاحب ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے
اور انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہمنوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی
چوٹی کا زور لگایا اور اس کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور
قریب تھا کہ انجمن کے ارکان مولانا کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی
جگہ سے اٹھے اور مولانا کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن
دلائل سے بھرپور تقریر سے ردِ بلیغ فرمایا۔

اس کے بعد انجمن حمایتِ اسلام نے جس کے جنرل سیکرٹری اس وقت علامہ[1] اقبال
تھے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور
اعلاء کلمۃ الحق جن کی زندگی کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس
اسلامیہ کالج لاہور کے سپرد کیا گیا۔ انہوں نے مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا :——

---

[1] خلافتی لیڈروں نے تحریکِ ترکِ موالات میں علامہ اقبال کو بھی ملوث کرنے کی کوشش کی اور علی گڑھ
میں کہا وہ ہمارے ہم خیال ہیں چنانچہ علامہ اپنے ایک خط بنام خان نیاز الدین خان مرحوم تحریر فرماتے ہیں
"باقی رہا ان لوگوں (یعنی خلافتیوں) سے میرا ہم خیال ہونا۔ ہم خیالی صرف اس حد تک ہے جس حد تک قرآن حکیم
کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انہوں نے شائع کر دیا ہے کہ اقبال نے آزاد قومی یونیورسٹی سے متعلق مدد
دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے تعمیلِ حکم میں
کیوں کر تامل ہو سکتا ہے۔ تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے بالکل غلط ہے میرے ساتھ ان کی کوئی
گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی۔ واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے اس خیال سے کہ علی گڑھ
میں اس بیان سے لوگ دھوکا نہ کھائیں میں نے ایک تار آنریری سیکرٹری کو دے دیا ہے کہ یہ بات
صحیح نہیں ہے جو اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔"
("مکاتیب اقبال" بنام خان نیاز الدین خان بزم اقبال لاہور صہ ۳۵)

—— "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام تولّی کے معنے معاملت اور ترکِ موالات (نان کوآپریشن) قرار دے رہے ہیں اور بہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلامِ پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے، مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اطلاق کر دیا ہے کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطعِ الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات۔ لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے"[1]

اور اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تصدیق و تصحیح کے لئے روانہ کیا:۔

آقائے نامدار مویدِ ملت جناب شاہ احمد رضا خاں صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پشت ہٰذا پر کا فتویٰ مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیویں، انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے اس میں یہ پیش کرنا ہے، دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا، ہندوؤں اور گاندھی

---

[1] الحجۃ المؤتمنہ ص ۲

کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام ہیں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ عالمِ حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں۔"

نیاز مند دعا گو

حاکم علی موتی بازار لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء[1]

اعلیٰ حضرت نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کے اس فتویٰ کو حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درسگاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی۔ بعد میں مولوی حاکم علی صاحب نے اعلیٰ حضرت کے فتویٰ کو دوسرے فتاووں کے ساتھ ترتیب دے کر بعنوان اصلی جمعیت العلماء ہند کے فتاوے شائع کیا۔

المحجتہ المؤتمنہ

اس سے پیشتر بھی اعلیٰ حضرت اس قسم کے فتاوے دے کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کچی باغ بنارس اور مدرسہ اسلامیہ سبز باغ کراچی کو خلافتیوں کے مذموم حملوں سے بچا چکے تھے۔ الغرض مذکورہ فتویٰ کے لاہور پہنچنے کے بعد مخالفین کے ارادوں اور منصوبوں پر اوس پڑ گئی اور تحریک عدم تعاون کے حامیوں میں سے ایک صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول لائلپور نے ایک طویل استفتاء مرتب کر کے جو خلافتیوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بریلی شریف بھیجا۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً ایک مفصل فتویٰ ترتیب دیا جو

---

[1] المحجتہ المؤتمنہ ص ۲

بعد میں المحجۃ المؤتمنہ کے نام سے شائع ہوا۔[1] اس طرح المحجۃ المؤتمنہ کے نام سے ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقعہ پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ ہند کے لئے دلیلِ راہ کا کام دیا۔

اس فتاوی میں اعلیٰحضرت نے قرآن حمید کی اس آیت "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ" (اللہ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں) (پ ۲۸ سورہ الممتحنہ ع ۷) پر مفصل بحث کی اور تمام مستند تفاسیر وکتب فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابو المسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوالِ علماء وفقہا کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کے اس آیۂ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وداد ومحبت جائز بلکہ فرض ہے کے تاروپود بکھیر دیئے اور ثابت کر دیا کہ کافر مسلمانوں کا ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کہ ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔"

عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیت پاک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :- "ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو، آیہ کریمہ " لَا یَنْھٰکُمْ " ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکینِ ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی۔ آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی رخصت دی، یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجدِ مسلمین میں باادب وتعظیم پہنچا کر منبر

---

[1] نوٹ: یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف " اوراق گم گشتہ " (مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء) میں شامل کر دیا ہے۔

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پرلے جاکر مسلمانوں سے اونچا بٹھاکر واعظ و ہادی مسلمین بناؤ گلے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآن مجید کو رامائن کیساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ، ان کے سرغنہ کو کہو کہ خدا نے ان (گاندھی) کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے یعنی معنیٔ نبوت جماؤ "[1]

اعلیٰ حضرت مزید فرماتے ہیں: "اگر بفرض باطل ان (رہبران گم کردہ راہ) کی یہ شتر گرگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو "لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے؟ کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک دہشتناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے؟ بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں، قرآن پاک کے پاک اوراق پھاڑے اور جلائے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کلیجہ منہ کو آئے۔"[2]
غرض کہ اعلیٰ حضرت نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی ایک ایک کر کے المحجۃ المؤتمنہ میں تردید فرمائی ہے اور آفتاب کی طرح روشن کر دیا ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم چاہے وہ ہندو ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمین کے مقابلے میں "الکفر ملۃ واحدۃ" کا مصداق ہے۔

---

[1] المحجۃ المؤتمنہ ص ۴۵-۴۴

[2] المحجۃ المؤتمنہ ص ۲۷

نوٹ: ۱۹۱۳ء میں اجودھیا میں قربانی گاؤ پر فساد ہوا۔ ۱۹۱۴ء میں مظفر نگر میں بلوہ ہوا۔ ۱۹۱۷ء میں اضلاع آرہ، شاہ آباد، بلیا، اعظم گڈھ کے چالیس میل کے وسیع رقبے میں بڑے پیمانے پر فسادات ہوئے جنکی نظیر اس دور میں کہیں نہیں ملتی۔ (بحوالہ فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۶۵ از پروفیسر محمد مسعود احمد ایم اے پی ایچ ڈی)

مولانا نعیم الدین کا کارنامہ

اعلیٰ حضرت کے فیضان اور ان کی تعلیم ہی کا اثر تھا کہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے فسادات بمبئی کے موقع پر ماہ شوال ۱۳۵۰ھ (۱۹۳۱ء) میں فرمایا کہ ہندوستان کو ہندو مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے اور مولانا شاید پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے واشگاف الفاظ میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی چنانچہ فرماتے ہیں — "بمبئی کے ہندو کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی دکانیں مسلمان محلوں سے ہٹا کر ہندو محلوں میں لے جائیں، ہندوؤں کے یہ افعال یہ تجویزیں یہ طرز عمل اتحاد کے ذرا بھی منافی نہیں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں تو اتحاد کے دشمن قرار دیئے جائیں یہ کھلی ناانصافی ہے جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اسی نکتہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لینا یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جدا جدا بنالیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے، ہر علاقہ میں اسی علاقہ والوں کی حکومت ہو مسلم علاقہ میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقہ میں ہندوؤں کی، اب نہ مخلوط وجداگانہ انتخاب کی بحثیں درپیش ہوں گی نہ کونسلوں میں نشستوں کی منازعت کا کوئی موقع رہے گا، ہر فریق اپنے حدود میں آرام کی زندگی گزار سکے گا جب ہندو ذہنیت نے بمبئی میں یہ ارادہ کر لیا ہے تو کیا وجہ ہے کہ جدید حکومت کا مسئلہ اس اصول پر نہ طے کیا جائے"۔[۱]

---

[۱] السواد الاعظم مراد آباد جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ شوال ۱۳۵۰ھ ص ۱۳-۱۴

تحریک پاکستان

حضرت صدر الافاضل کی یہ تحریر بالکل واضح ہے کہ انہوں نے اُس اصول کو بہت پہلے پیش کر دیا تھا جسے بعد میں اپنا کر پاکستان حاصل کیا گیا۔ صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی قومی خدمات بے شمار ہیں مگر ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے پاس ہونے پر تو ان کی تمام تر توجہ تحریک پاکستان کی طرف ہو گئی تھی۔ آل انڈیا سُنی کانفرنس کے ذریعے پوری قوم کو نظریہ پاکستان کا حامی بنانے کی کامیاب مساعی کیں۔ اس سلسلے میں آپ کے دل میں جو تڑپ تھی وہ ان خطوط سے عیاں ہے جو انہوں نے مولانا ابوالحسنات علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمائے۔ ان تاریخی خطوط کے بعض اقتباسات ملاحظہ ہوں:-

(الف) "آل انڈیا سُنی کانفرنس کا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ ہے۔ یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی، ایک ایوان عام، ایک ایوانِ علما ——— ایوان علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہو گا" [1]

(ب) "پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔" [2]

(ج) "الیکشن کے موقع پر کانگرس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں" [3]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے نامور خلیفہ اور تلمیذ رشید حضرت ابوالمحامد سید محمد محدث کچھوچھوی

---

[1] حیات صدر الافاضل از غلام معین الدین نعیمی مطبوعہ لاہور ص ۱۸۵-۱۸۶، مکتوب ۲
[2] ایضاً ص ۱۸۶
[3] ایضاً ص ۱۸۷، مکتوب ۳

رحمۃ اللہ علیہ صدر آل انڈیا سُنی کانفرنس جو جید عالم دین روحانی پیشوا اور بے مثال خطیب تھے' نے تحریک پاکستان کے لیے عظیم خدمات سر انجام دیں۔ آپ نے پاک و ہند کے تقریباً سب ہی چھوٹے بڑے شہروں میں پاکستان کے حق میں مدلل تقاریر فرمائیں اور اپنے لاکھوں مریدین کو تحریک پاکستان میں حصہ لینے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ نے ۵۔۶۔ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سُنی کانفرنس اجمیر شریف میں خطبہ دیا جو الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ کے نام سے دو مرتبہ چھپ چکا ہے۔ اس مبارک خطبہ کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

"المشائخ کلھم کنفس واحدۃ" کر کے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے۔"

"حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سُنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سُنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سُنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے۔"

آخر میں اہل سنت کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتائے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا؟"

اس سے پہلے آپ نے آل انڈیا سُنی کانفرنس منعقدہ بنارس میں نہایت طویل اور مدلل خطبہ دیا جو خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ کے نام سے طبع ہوا جس کے صفحات ۲۸ ہیں۔ اس خطبہ کا ایک ایک حرف حضرت محدث کچھوچھوی کی بالغ نظری اور مقصد سے عشق کا ترجمان ہے۔ تحریک پاکستان پر کام کرنے والوں کے لیے ان خطبات

کا مطالعہ لازمی ہے۔

غرض کہ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز بلند کی یعنی دو قومی نظریہ قوم کے سامنے پیش کیا۔ پھر اُن کے بعد اُن کے باعزم و باہمت خلفاء و تلامذہ اور اُن کے ہم مسلک علماء کرام و مشائخ عظام نے سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک پاکستان کو کامیابی و کامرانی سے ہم کنار کیا۔ ذیل میں اُن نفوس قدسیہ اور محسنین قوم و ملت جن کی مساعی کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا' کے اسماء گرامی درج کر کے اپنے اس مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

محسنین قوم

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری' حضرت پیر صاحب مانکی شریف' صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی، حضرت ابو المحامد سید محمد محدث کچھوچھوی، مبلغ اسلام مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی (والد ماجد شاہ احمد نورانی مدظلہ) مولانا عبد الحامد قادری بدایونی' حضرت پیر سید فضل شاہ امیر حزب اللہ، حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف۔ حضرت خواجہ سدید الدین تونسوی، حضرت میاں علی محمد خان سجادہ نشین بسی شریف' حضرت مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری' حضرت مولانا عبد الغفور ہزاروی، مولوی محمد ابراہیم علی چشتی، مولانا غلام محمد ترنم، حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف' حضرت سید مغفور القادری، حضرت دیوان سید آل رسول علیخان (اجمیر شریف) حضرت مولانا امجد علی مصنف بہار شریعت وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ)

شیخ الاسلام حضرت خواجہ قمر الدین سیال شریف' مجاہد ملت حضرت مولانا

الحاج عبدالستار خان نیازی ، مولانا جمال میاں فرنگی محلی ، پیر صاحب زکوڑی شریف ، غزالی دوراں مولانا سید احمد سعید کاظمی ، علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری مفتی اعظم پاکستان ، مولانا غلام قادر چشتی اشرفی ، مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی ، حضرت شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی ، صاحبزادہ سید محمود شاہ گجراتی وغیرہ وغیرہ

آخر میں یہ گذارش ضروری ہے کہ چونکہ پاکستان سوادِ اعظم اہل سنت نے بنایا تھا ، لہذا اسے فتنوں سے بچانا اور اس کی حفاظت کرنا بھی اہل سنت ہی کا کام ہے ۔ اہل سنت کو چاہیئے کہ اس کی نظریاتی سرحدوں کی پورے طور پر حفاظت فرمائیں ، اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام پر بنائے ہوئے اس ملک میں اسلامی قوانین کو نافذ کرائیں ۔

یکم رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

سید نور محمد قادری
چک نمبر ۱۵ شمالی ۔ ڈاک خانہ چک نمبر ۵
ضلع گجرات